سورہ الملک کا پیغام

The Message of Surah al-Mulk

سورہ الملک کی آسان تشریح

عاجزانہ کاوش: ڈاکٹر دلدار احمد علوی

یہ سورہ نمبر ۶۷ ہے۔ اس کا نام المُلك اس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔اس میں ۳۰ آیات ہیں۔

خلاصہ:

اللہ نہایت با برکت ہے،وہ بزرگ و برتر ہے اور اس کی فیض بخشی کی کوئی انتہا نہیں۔ وہ کائنات کے اقتدارِ اعلیٰ کا مالک ہے۔ اس کی قدرت کی شان یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس نے اپنی قدرت سے انسان کو ارادہ و اختیار کی صلاحیت عطا کی اور اسے ایک اخلاقی و روحانی وجود بنایا۔ اس کے لئے دنیا کو دارالامتحان بنا کر اسے یہ موقع دیا کہ وہ عمل کے لحاظ سے خود کو بہتر ثابت کرے اور یہ بات ظاہر و آشکار ہو کہ عمل کے اعتبار سے کون بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو ہمہ گیر اور مستحکم اصولوں پر تخلیق کیا ہے۔سماوی نظام (کوسمک سسٹمز) اپنی کثرت کے با وجود باہم مطابقت و ہم آہنگی میں ہیں۔ قرآن کائنات، اس کے نظام اور اس کے مظاہر کو اللہ تعالیٰ کی ہستی اور قدرت کے لئے دلیل کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اس طرح وہ کائنات کے مطالعے کی ترغیب و تحریک دیتا ہے۔

''اللہ وہ ہے جس نے بکثرت آسمانی نظام باہم مطابقت میں تخلیق کیے ہیں۔تو خدائے رحمٰن کی تخلیق میں کوئی بے ربطگی نہیں دیکھے گا۔ پس، کائنات کی طرف نگاہ پھیر، کیا تو نے کوئی بے قاعدگی دیکھی۔ پھر نگاہ ڈال، بار بار (مشاہدہ کر)۔ تیری نگاہ تھک کر ناکام لوٹ آئے گی (لیکن، اللہ کی تخلیق میں کوئی نقص نہ پائے گی)''۔

اسی طرح، وہ ''اس نے آسمانِ دنیا کو (کواکب کے) چراغوں سے مزین کیا'' جیسے الفاظ کے ذریعے انسان کے مشاہداتی، تخلیقی اور جمالیاتی ذوق کو ابھارتا ہے۔یہ بھی غور طلب ہے کہ قرآن جہاں کائنات کے مثبت مطالعے کی تحریک دیتا ہے، وہیں وہ کہانت اور اسٹرلوجی کی سوڈو۔سائنس اور غیب دانی کے دعووں کو رجماً بالغیب اور ظنون و اوہام سے تعبیر کرتا ہے۔

مزید براں، قرآن چاہتا ہے کہ لوگ نبوی انذار کو گوشِ ہوش سے سنیں اور اسے سنجیدگی سے لیں۔ ان کے لئے، قرآن کے نذدیک، یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عقل اور غور و فکر سے کام لیں (نسمع او نعقل) اور، اس طرح خود کو ان لوگوں میں شامل کریں جو اپنے آپ کو عمل کے اعتبار سے زیادہ اچھا ثابت کرنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔

استکبار اور حق کی مخالفت انسان کو جہنم کا مستحق قرار دیتی ہے۔ اس کے برعکس، جو خوش نصیب اللہ کی ناراضگی سے ڈرتے ہیں اور اپنے اعمال اخلاقی ذمہ داری کے ساتھ انجام دیتے ہیں، ان کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم کی بشارت ہے۔ خشیتِ الٰہی انسان کو انعام یافتہ بناتی ہے۔ انسان کی ایک اخلاقی و روحانی وجود کے طور پر نشوونما میں اس کے مرکزِ وجود (صدور) میں چھپے راز بھی کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ اپنے نظریے پوشیدہ رکھے یا انہیں ظاہر کرے، اللہ ان سے خوب آگاہ ہے، وہ انسان کی بہ حیثیت ایک اخلاقی و روحانی وجود کے نشوونما پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ لہذا، انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے اندر مثبت سوچیں پیدا کرے اور خود کو منفی سوچوں سے بچائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ، حکمتِ بالغہ اور علمِ محیط کل سے زمین (اور اس دنیا) کو ایسا بنایا ہے کہ وہ انسان کے مقصدِ تخلیق کے ساتھ مکمل مطابقت رکھتی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ انسان ''اس کے کشادہ راستوں پر چلے'' یعنی اسباب و ذرائع کو بروئے کار لائے مگر اس کا ہر عمل اور حرکت اخلاقی ذمہ داری کے ساتھ ہو۔ یہ اس کی بہ حیثیتِ فرد اور بہ حیثیتِ نوع بقا اور نشوونما کے لئے ضروری ہے۔ اخلاقی ذمہ داری سے انحراف انسان کے لئے تباہ کن ہو سکتا ہے، یہ زمینی اور آسمانی آفات کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ حق کی مخالفت سے انسان رحمتِ ربی سے دور جا پڑتا ہے۔ کائنات میں اللہ تعالیٰ کا ودیعت کردہ آفاقی نظام صرف حق کے ساتھ سازگار ہے۔ وہ حق کا ساتھ دیتا ہے۔ پرندوں کے فضا میں اڑنے میں سبق ہے کہ وہ کس طرح اپنے پروں کو پھیلائے اڑ رہے ہوتے ہیں اور ضرورت کے مطابق انہیں سمیٹ بھی لیتے ہیں۔ اللہ کا نظامِ فطرت ہر چیز کو اپنی نگاہ میں رکھے ہوئے ہے، کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔ انسان ایک باشعور مخلوق ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کائنات میں مضمر امکانات کو اخلاقی ذمہ داری کے ساتھ بروئے کار لائے۔ ورنہ دنیا کی کوئی طاقت خدائے رحمٰن کے قوانین کے مقابلے میں انسان کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ قرآن کہتا ہے کہ سرکشی اور حق سے نفرت انسان کو نامراد کرکے چھوڑتی ہے۔ محدود اور پست زاویہ ءِ نگاہ وسیع اور بلند زاویہ ءِ نگاہ کے برابر نہیں ہوتا ہے۔ سفرِ حیات میں انسان کو وسیع اور بلند زاویہ ءِ نگاہ ہی راہ یاب کرتا اور منزلِ مقصود تک پہنچاتا ہے:

''کون ہدایت یاب ہو گا؟ وہ جو اپنا چہرہ زمین سے لگائے گرتا پڑتا چل رہا ہے یا وہ جو سیدھا کھڑا سر اٹھائے صراطِ مستقیم پر گامزن ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مشاہدہ، مطالعہ اور عقل و فکر کی بہترین قوتیں عطا کی ہیں۔ اس کی منشا یہ ہے کہ وہ ان کے مثبت استعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری اختیار کرے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نظریہ ءِ عالم (ورلڈ ویو) کو سمجھے اور اس کے عطا کردہ اخلاقی نظام کی پیروی کے ذریعے اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہے۔

اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسانی کو زمین میں پھیلایا ہے لیکن اس نے ہمیشہ یہاں نہیں رہنا۔انسانوں نے مرنا ہے اور پھر مشیتِ الٰہی کے مطابق قیامت برپا ہو گی اور سب کو اپنے اعمال کی جواب دہی کرنا ہو گی۔ کوئی اس سے بچ نہیں سکتا۔ اہلِ ایمان اللہ پر ایمان لاتے اور اس پر توکل کرتے ہیں، یعنی وہ اس کے عطا کردہ نظام کے مطابق اپنی زندگی گزارتے ہیں۔

اللہ مسبب الاسباب ہے۔ کائنات کے ہر مظہر کے پیچھے اس کی قدرت اور مشیت کار فرما ہے۔ وسائلِ حیات کی تمام نعمتیں اس کی عطا کردہ ہیں۔ اگر وہ ان کو روک لے تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں مہیا نہیں کر سکتی۔ لہٰذا، انسان کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے اور اسی کی منشا کے مطابق اپنی زندگی گزارنی چاہیئے۔

''ذرا غور کرو اگر (کسی دن) تمہارا پانی زمین کے اندر گہرائی میں اتر جائے (تمہاری پہنچ سے دور) تو کون ہے جو تمہیں آنکھوں کے سامنے بہتا تازہ پانی فراہم کر سکے''۔

ایک مومن اگرچہ اسباب پر پوری توجہ دیتا ہے لیکن اس نظر اسباب کے پیچھے کار فرما ہستی پر رہتی ہے۔ مادی نظریہ ءِ حیات اور روحانی نظریہ ءِ حیات میں یہی فرق ہے۔

.....

آسان ترجمہ:

اللہ الرحمٰن و الرحیم کے نام سے۔

نہایت بابرکت ہے وہ (اللہ) کہ جس کے دستِ قدرت میں (تمام جہانوں کی) بادشاہی ہے۔ اور اس کی شان یہ ہے کہ وہ ہر شے پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔

اس نے موت و حیات کا سلسلہ جاری فرمایا (اور تمہیں اے انسانو ارادہ و اختیار کی طاقت عطا کی) تاکہ تمہیں (اپنے آزاد ارادہ و اختیار کے مطابق) عملی طور پر یہ ثابت کرنے کا موقع ملے کہ تم میں سے عمل کے اعتبار سے کون بہتر ہے۔ اور اس کی شان یہ ہے کہ وہ العزیز (صاحبِ غلبہ و قوت) اور الغفور (مغفرت فرمانے والا) ہے۔

وہی ہے جس نے سات آسمان (بکثرت کائناتی نظام) باہم مطابقت میں پیدا فرمائے۔ تُو (اے انسان) خدائے رحمٰن کی تخلیق (اس کائنات) میں کسی قسم کی بے ربطی نہیں پائے گا۔ پس (اگر تجھے اس حقیقت کا ثبوت درکار ہے تو) اپنی نگاہ اس (کائنات اور اس کے مظاہر) کی طرف پھیر (پوری توجہ سے اس کا مشاہدہ کر)۔ کیا تو نے اس میں کسی قسم کی کوئی بے قاعدگی دیکھی ہے (کوئی ایسی چیز جو اللہ کے ودیعت کردہ آفاقی قوانین کے خلاف ہو)۔ پھر ، بار بار اپنی نگاہ (اس کی طرف) پھیر (اور بہ غور اور بہ تکرار مشاہدہ کر)، تیری نگاہ تیری طرف تھک ہار کر نامراد پلٹ آئے گی (لیکن خدائے رحمٰن کی تخلیق میں کوئی نقص نہ پا سکے گی)۔

اور یہ کہ یقیناً ہم ہی نے آسمانِ دنیا کو (اجرامِ سماوی) کے چراغوں سے مزین کیا ہے اور انہیں (انسانوں کو گمراہ کرنے والے) شیاطین (وہ کاہن و نجومی جو ستاروں کی بنیاد پر غیب دانی کا دعویٰ کرتے ہیں) کے لئے ظنون کا سبب بنا دیا۔ اور، ہم نے ان کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب بھی تیار کر رکھا ہے۔ [انہیں ان شیاطین الانس کے لئے ظن و گمان کا سبب بنا دیا، ان کی بنیاد پر وہ اٹکل کے تیر چلاتے اور قیاس آرائیاں کرتے ہیں اور اس طرح اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کا مستحق قرار دیتے ہیں۔]

اور یہ کہ ان لوگوں کے لئے جنھوں نے اپنے رب (کے احکامات) کا انکار کیا جہنم کا عذاب ہے، اور وہ لوٹ کر جانے کا کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔ جب وہ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کی خوفناک آواز سنیں گے، اور وہ جوش مار رہی ہوگی۔ گویا، مارے غضب کے پھٹا چاہتی ہے۔ جب بھی اس میں (مجرموں کا) کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو ان سے دوزخ کے نگران پوچھیں گے: ''کیا تمھارے پاس کوئی نذیر (خبردار کرنے والا) نہیں آیا تھا''؟ وہ کہیں گے: ''کیوں نہیں، بیشک ہمارے

پاس ایک نذیر آیا تھا۔ لیکن، ہم نے اس کی تکذیب کی اور اس کو کہہ دیا کہ اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں کی، تم اس کے سوا کچھ نہیں کہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو''۔

اور وہ (افسوس کرتے ہوئے) کہیں گے: ''کاش ہم (ان کی نصیحت کو) سنتے، اور عقل سے کام لیتے تو آج ہم اہلِ جہنم میں سے نہ ہوتے''۔

سو، وہ (اس طرح) اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے۔ پس، اہلِ جہنم کے لئے اللہ کی رحمت سے دوری ہے۔

(ان کے بر عکس) وہ لوگ جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لئے (اللہ کی) مغفرت اور اجرِ عظیم ہے۔

اور یہ کہ (اے مخالفینِ حق) تم اپنی بات پوشیدہ رکھو یا اسے ظاہر کرو (اللہ تعالیٰ کے لئے یکساں ہے)، (اس کی شان یہ ہے کہ) بیشک وہ سینوں میں چھپے رازوں کا بھی مکمل علم رکھتا ہے (تعجب ہے اگر تم اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتے)۔ وہ (خدائے علیم و خبیر) جس نے (تمہیں) پیدا کیا ہے، کیا وہی (تمہیں) نہ جانے گا، جب کہ اس کی شان یہ ہے کہ وہ اللطیف (نہایت باریک بین) اور الخبیر (ہر شے کی خبر رکھنے والا) ہے۔

وہ (خدائے رحمٰن) وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو قابلِ انتظام بنایا ہے، پس تم اس کے راستوں پر چلو (اور اپنی منزلِ مقصود تک پہنچو) اور (یوں) اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق سے غذا کا کام لو۔ اور (یاد رکھو) اسی کی طرف دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔

کیا تم اس (خدا) سے جو اپنی شان میں نہایت اعلیٰ و ارفع ہے بے خوف ہو گئے ہو کہ تمہیں زمین میں غرق کر دے جبکہ وہ یکایک لرز اٹھے۔

یا کیا تم اس (خدا) سے جو اپنی شان میں نہایت اعلیٰ و ارفع ہے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تم پر پتھر برسانے والی سخت آندھی بھیج دے (اور تم تباہ ہو کر رہ جاؤ)۔ پس (اگر تمہارے طور طریقے یہی رہے تو)، تم عنقریب جان لو گے کہ میرے انذار کی کیفیت کیا ہے۔ (تمہارے اعمال اپنی نوعیت کے مطابق نتائج پیدا کر کے رہیں گے۔ یہ مکافاتِ عمل کا وہ قانون (سنت اللہ) ہے جو شروع سے چلا آرہا ہے۔)

اور یہ کہ بیشک ان لوگوں نے بھی جو ان (مخالفینِ حق) سے پہلے گزرے ہیں (میرے رسولوں کی) تکذیب کی تھی، سو دیکھو کیسا تھا میرا عذاب (جس سے وہ اپنے اعمال کے نتیجے کے طور پر دوچار ہوئے)۔[کیسا تھا میرا انہیں رد کرنا، رحمت سے دور کرنا۔۔؛ پیغامِ حق کی تکذیب بالآخر رحمتِ خداوندی سے دوری کا سبب بنتی ہے۔]

کیا انھوں نے اپنے اوپر (فضا میں) پر پھیلائے اڑتے ہوئے پرندوں کا مشاہدہ نہیں کیا، (جو اپنے پر پھیلائے اڑ رہے ہو تے ہیں) اور انھیں سمیٹ بھی لیتے ہیں۔ خدائے رحمٰن ہی ہے جو انھیں فضا میں (اپنے قانونِ فطرت کے ذریعے) تھامے رکھتا ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو اپنی نگاہ میں رکھے ہوئے ہے۔[مگر تمہیں اس کا احساس نہیں، سو تم مخالفتِ حق پر ڈٹے ہوئے ہو۔]

(اے مخالفینِ حق) کیا تمھارے پاس کوئی ایسا لشکر ہے جو خدائے رحمٰن کے مقابلے میں تمہاری مدد کر سکے۔ (یقیناً نہیں)۔ (اے رسولِ اکرمﷺ) ان منکرینِ حق کا حال یہ کہ بس خود فریبی میں مبتلا ہیں (ورنہ ضرور احساس رکھتے کہ خدا کے مقابلے میں کوئی کسی کو تحفظ نہیں دے سکتا)۔

(اے مخالفینِ حق بتاؤ) اگر اللہ اپنا رزق روک لے تو کیا کوئی ایسی ہستی ہے جو تمہیں رزق پہنچا سکے۔ (یقیناً، کوئی ایسی ہستی نہیں ہے) لیکن (ان کا حال یہ ہے کہ) یہ سرکشی اور حق سے نفرت پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ (جانتے ہیں مگر مانتے نہیں، تکبر اور ضد کے باعث؛ سرکشی اور حق سے نفرت کے جذبات میں ڈوبے ہوئے ہیں؛ سرکشی اور نفرت پر مصر ہیں، بضد ہیں)۔

کیا وہ شخص جو اپنا چہرہ نیچے جھکائے گرتا پڑتا چل رہا ہو وہ ہدایت پر ہے یا وہ جو اپنے قدموں پر سیدھا کھڑا صراطِ مستقیم پر (گامزن ہو۔[محدود اور پست زاویہ ءِ نگاہ اور وسیع اور بلند زاویہ ءِ نگاہ کا فرق]۔

(اے رسولِ اکرمﷺ)آپ فرمائیں: اللہ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہیں کان، آنکھیں اور سوچنے کی قوت عطا کی، مگر تمہارا حال یہ ہے کہ بہت کم ہی شکر گزاری کا رویہ اختیار کرتے ہو۔

(مزید) فرمائیں: اللہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا ہے اور اسی کی طرف تم (قیامت کے روز) اکٹھے کیا جاؤ گے۔

اور وہ (مخالفینِ حق اہلِ ایمان سے بطورِ طنز) کہتے ہیں : اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو (تو بتاؤ) اس وعدے کی (کہ قیامت کا دن آئے گا) تکمیل کب ہو گی؟

(اے رسولِ اکرم ﷺ) فرمائیے: اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، میں تو صرف ایک واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں (کہ اعمال اپنی نوعیت کے مطابق نتائج پیدا کریں گے، قیامت آئے گی اور ہر کوئی اپنے اعمال کے لئے جواب دہ ہو گا۔)

پھر، جب وہ اسے اپنے قریب آتے دیکھیں گے تو مخالفینِ حق کے چہرے (شدتِ غم سے) سیاہ پڑ جائیں گے۔اور، انہیں کہا جائے گا: یہی ہے وہ (قیامت) جس کا تم (بار بار) تقاضا کرتے تھے۔[اب جب وہ تمہارے سامنے آ گئی ہے تو پریشان کیوں ہو رہے ہو۔]

(اے رسول اکرم ﷺ) آپ فرمائیے (اے منکرینِ حق جو ہماری تباہی کے خواہاں ہو) ذرا غور کرو کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور ان کو جو میرے ساتھ ہیں ہلاک کر دے یا ہم پر رحم فرمائے (اس میں تمہارا کیا فائدہ)، پس، (تم یہ بتاؤ کہ) منکرینِ حق کو درد ناک عذاب سے کون بچائے گا (انہیں تو بہر صورت اپنے اعمال کا انجام دیکھنا ہو گا)۔

آپ فرمائیں: وہ الرحمٰن ہے جس پر ہم ایمان لائے ہیں، اسی پر ہمارا توکل ہے، بہت جلد تم اس حقیقت سے آگاہ ہو جاؤ گے کہ (ہم میں سے) کھلی گمراہی میں کون ہے۔ [وقت اس کو آشکار کر دے گا، اور بروزِ قیامت تو ہر چیز کھل کر سامنے آ ہی جائے گی۔]

آپ فرمائیں: ذرا غور کرو اگر (کسی دن) تمہارا پانی (جس پر زندگی کا دارومدار ہے) زمین کے اندر گہرائی میں اتر جائے (تمہاری پہنچ سے دور) تو کون ہے جو تمہیں آنکھوں کے سامنے بہتا تازہ پانی فراہم کر سکے۔ [یقیناً، اللہ ہی ہے جس کی قدرتِ کاملہ ایسا کر سکے] [تو پھر تم غور و فکر کیوں نہیں کرتے۔]

آیات ، ترجمہ اور تشریحی نوٹس:

سورہ الملک

آیت نمبر	آیت	ترجمہ
	بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	خدائے الرحمٰن و الرحیم کے نام سے شروع

۱	تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ٘ وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۙ﴿۱﴾	نہایت بابرکت ہے وہ (اللہ) کہ جس کے دستِ قدرت میں (تمام جہانوں کی) بادشاہی ہے۔ اور اس کی شان یہ ہے کہ وہ ہر شے پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔

تبارک، برکت سے ہے۔ اس کا مطلب ہے خیر اور بھلائی کی کثرت اور اس کا دوام (ہمیشگی)۔ وہ نہایت با برکت ہے، ہر طرح کی خیر اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اسی کے سامنے دامانِ طلب کشادہ کرو۔ (اہلِ ایمان کی یہ چھوٹی سی جماعت بہت جلد ایک عظیم امت بنے گی۔ اللہ انھیں ملک و اقتدار عطا کرے گا)۔ وہ قادرِ مطلق ہے، کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔ کائنات کی بادشاہی اسی کے قبضہ ءِ قدرت میں ہے۔ زمان و مکان پر اسی کی حکومت ہے۔ تمام اصول و ضوابط جو کائنات میں کارفرما ہیں اسی کے ودیعت کردہ ہیں۔ اس نے موت و حیات، عروج و زوال اور فتح و شکست کے پیمانے مقرر فرمائے ہیں۔ ہر عمل، ہر حرکت اور ہر تبدیلی اسی کے مقرر کردہ پیمانوں کے مطابق ظہور پزیر ہوتی ہے۔

۲	الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۙ﴿۲﴾	اس نے موت و حیات کا سلسلہ جاری فرمایا (اور تمہیں اے انسانو ارادہ و اختیار کی طاقت عطا کی) تاکہ تمہیں (اپنے آزاد ارادہ و اختیار کے مطابق) عملی طور پر یہ ثابت کرنے کا موقع لے کہ تم میں سے عمل کے اعتبار سے کون بہتر ہے۔ اور اس کی شان یہ ہے کہ وہ العزیز (صاحبِ غلبہ و قوت) اور الغفور (مغفرت فرمانے والا) ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی آفاقی اسکیم (یونی ورسل اسکیم) کے مطابق اس زمین پر موت و حیات کا سلسلہ جاری فرمایا، اور بالآخر انسان کی تخلیق کی اور ارادہ و اختیار کی طاقت دے کر اسے ایک اخلاقی وجود کی حیثیت عطا کی۔ وہ دنیا میں حالتِ امتحان میں ہے۔ نیکی اور بدی، سچ اور جھوٹ، حق اور باطل، دیانت اور بد دیانتی، جائز و ناجائز میں سے کسی ایک کو چننے کی کشمکش ہر آن اس کے اندر کارفرما رہتی ہے۔ یہ اس کے ارتقا اور نشوونما کی ضمانت فراہم کرتی ہے۔ اور اس سے یہ چیز آشکار اور ڈیمانسٹریٹ ہوتی جاتی ہے کہ عمل کے اعتبار سے کون زیادہ اچھا ہے۔ ''انسان حالتِ امتحان میں ہے اور یہ دنیا دارالامتحان'' قرآنی نظامِ فکر کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔ یہ ایک نظام ہے جو اللہ نے اپنی آفاقی اسکیم کے مطابق جاری فرمایا ہے، یہ انسان کے حرکت و عمل اور ارتقا کی لازمی شرط ہے۔ اللہ جو کہ علیم و خبیر ہے اسے کسی کی آزمائش کی حاجت نہیں۔ آزمائش سے یہ مراد ہے کہ انسان کو موقع عطا کیا کہ وہ اپنے آزاد ارادہ و اختیار کو استعمال کرتے ہوئے عملی طور پر یہ ظاہر اور ڈیمانسٹریٹ کرے کہ عمل کے اعتبار سے کون زیادہ اچھا ہے۔

زندگی ایک ایسی بھرپور حقیقت ہے کہ اس کی تعریف اگر ناممکن نہیں تو بہت مشکل ضرور ہے۔ تاہم، انسان کی جسمانی حیات اور موت عام انسانی تجربے اور مشاہدے کے مطابق ایک جانی پہچانی حقیقت ہے۔ موت کا یہ مطلب نہیں کہ وجودِ انسانی فنا ہو جاتا ہے یا زندگی سے مکمل طور پر اپنا تعلق منقطع کر دیتا ہے۔ بلکہ، موت ایک جہان سے دوسرے جہان کی طرف انتقال کا نام ہے (لیس الموت فناءً وانقطاعاً بالكلية عن الحياة، وإنما هو انتقال من دار إلى دار)۔

اللہ تعالیٰ العزیز ہے، صاحبِ غلبہ و قوت۔ اقتدار و اختیار کا مالک۔ وہ الغفور ہے، مغفرت، بخشش اور حفاظت فرمانے والا۔

۳، ۴	الَّذِىۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰى فِىۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ ؕ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ هَلۡ تَرٰى مِنۡ فُطُوۡرٍ ﴿۳﴾ ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ كَرَّتَيۡنِ يَنۡقَلِبۡ اِلَيۡكَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيۡرٌ ﴿۴﴾	وہی ہے جس نے سات آسمان (بکثرت کائناتی نظام) باہم مطابقت میں پیدا فرمائے۔ تُو (اے انسان) خدائے رحمٰن کی تخلیق (اس کائنات) میں کسی قسم کی بے ربطی نہیں پائے گا۔ پس (اگر تجھے اس حقیقت کا ثبوت درکار ہے تو) اپنی نگاہ اس (کائنات اور اس کے مظاہر) کی طرف پھیر (پوری توجہ سے اس کا مشاہدہ کر)۔ کیا تو نے اس میں کسی قسم کی کوئی بے قاعدگی دیکھی ہے (کوئی ایسی چیز جو اللہ کے ودیعت کردہ آفاقی قوانین کے خلاف ہو)۔ پھر، بار بار اپنی نگاہ (اس کی طرف) پھیر (اور بہ غور اور بہ تکرار مشاہدہ کر)، تیری نگاہ تیری طرف تھک ہار کر نامراد پلٹ آئے گی (لیکن خدائے رحمٰن کی تخلیق میں کوئی نقص نہ پا سکے گی)۔

سبع سمٰوٰت: سات آسمان۔ ممکنہ طور پر سات یہاں عددِ تکثیری کے طور پر استعمال ہوا ہے، یعنی یہ کثرت پر دلالت کر رہا ہے۔ یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ عربی زبان میں سات، ستر، سو اور ہزار وغیرہ کے اعداد کثرت کے اظہار کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ، سبع سمٰوٰت کا مطلب ہو گا بہ کثرت سماوی نظام (کوسمک سسٹمز)۔ ان آیات کے مجموعی مفہوم اور متن سے بھی یہ اشارہ نکلتا ہے کہ یہاں سات کا عدد کثرت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کائناتی نظاموں کی کثرت کے باوجود ان میں مطابقت اور ہم آہنگی ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ آسمانوں کا یہ عوامی تصور درست نہیں جس میں زمین کو گویا پانی پر بچھا ہوا مانا جاتا ہے جس پر گنبد کی طرح کے آسمان اوپر تلے موجود سمجھے جاتے ہیں۔ اور، نہ ہی وہ زمین۔ مرکزی (ارتھ۔ سینٹرڈ) کائنات کا تصور درست ہے جس میں خلا میں معلق کرہ ءِ زمین کو آسمان اس طرح گھیرے ہوئے ہیں جیسے انڈے کی زردی کو سفیدی اور بیرونی خول، یا جیسے پیاز کی اوپر تلے موجود پرتیں۔ یہ بات اب فہمِ عامہ سے تعلق رکھتی ہے کہ زمین شمسی نظام کا ایک سیارہ ہے، اور شمسی نظام مِلکی وے کہکشاں (گیلیکسی) کا ایک نہایت معمولی سا حصہ ہے۔ اس کائنات میں اربوں کہکشائیں ہیں اور ہر کہکشاں میں اربوں ستارے اور ممکنہ طور پر اربوں کھربوں سیارے اور دوسرے سماوی اجرام و اجسام ہیں۔ لہٰذا، یہ مادی و طبیعی کائنات ناقابلِ تصور حد تک وسیع ہے۔ چنانچہ، ممکنہ طور پر سبع سمٰوٰت بہ کثرت کائناتی نظاموں کے لئے قرآنی استعارہ ہے۔ قرآن کے تصورِ سما و سماوات کو بہتر طور پر سمجھنے کے لئے کائنات کے سائنسی حقائق کی بنیاد پر قائم جدید تصور کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

طباقا: مطابقت اور ہم آہنگی میں ہونا۔ لفظ طباقا کی تشریح اوپر تلے یا تہ بہ تہ کرنا سیاقِ کلام کے اعتبار سے درست نہیں۔ اگلی آیات میں جو چیز بیان ہو رہی ہے وہ کائنات کا نظم اور ہم آہنگی ہے، اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ کائنات میں ایک نظام ہے، اس میں کوئی تفاوت (بے ربطگی) اور فُطور (بے قاعدگی) نہیں ہے۔ یعنی اس میں کوئی نقص، کجی، عدمِ تناسب وغیرہ نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ تفاوت اور فطور کا تضاد ہم آہنگی و مطابقت سے ہے نہ کہ اوپر تلے ہونے سے۔ چنانچہ، طباقا کا معنی ہے کہ کائناتی نظام اپنی تمام تر کثرت اور تنوع کے باوجود ایک ہم آہنگی اور مطابقت میں ہے، تمام کرے اور مجموعے یکساں آفاقی ضابطوں کے پابند ہیں۔ کائنات میں کوئی بے ربطگی اور بے قاعدگی نہیں ہے، وغیرہ۔

تفاوت: فرق، اختلاف، غیر ہم آہنگی، بے ربطی۔
''تفاوت، أي: اختلاف وعدم تناسب أو اضطراب. وعن السدي: من عيْبٍ. وحقيقة التفاوت: عدم التناسب'' (البحر المديد)
فطور: فطر کی جمع، لغوی معنی شگاف۔ یہاں مطلب ہے نقص، کجی، بے قاعدگی (فالٹ، ڈسکری پینسی، اریگولیریٹی، وغیرہ)۔

بار بار نظر دوڑاتو، دیکھو، مشاہدہ کرو، ہر طرح کی تحقیق و تفتیش کر ڈالو، تمہیں اس کائنات میں کوئی بے ربطگی اور بے قاعدگی نظر نہیں آئے گی۔ تمام کائنات نہایت مستحکم اصولوں پر قائم ہے۔ یہی بات بدلے ہوئے لفظوں میں قرآنِ کریم میں بہت جگہوں پر بیان ہوئی ہے۔(دیکھیے صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ (اس اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر شے کو پختہ (اصولوں پر) بنایا ہے (سورہ النمل آیت ۸۸)، اَفَلَمۡ یَنۡظُرُوۡۤا اِلَی السَّمَآءِ فَوۡقَہُمۡ کَیۡفَ بَنَیۡنٰہَا وَ زَیَّنّٰہَا وَ مَا لَہَا مِنۡ فُرُوۡجٍ (کیا انھوں نے اپنے اوپر (پھیلی ہوئی) سماوی کائنات کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کیسا بنایا ہے، اور (کیسا) اسے آراستہ کیا ہے، اور یہ کہ اس میں کوئی نقص نہیں (سورہ ق آیت ٦))۔

خَاسِئًا: درماندہ، تھکی ہوئی۔

حَسِیۡرٌ: ناکام و نامراد۔

تفسیر ابنِ عربی کی خوبصورت تشریح:

’’{الذي خلق سبع سماوات طباقاً} نهاية كمال عالم الملك في خلق السموات لا ترى أحكم خلقاً وأحسن نظاماً وطباقاً منها. وأضاف خلقها إلى الرحمن لأنها من أصول النعم الظاهرة ومبادىء سائر النعم الدنيوية، وسلب التفاوت عنها لبساطتها واستدارتها ومطابقة بعضها بعضاً وحسن انتظامها وتناسبها‘‘ (تفسير ابنِ عربی)

٥ وَ لَقَدۡ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِمَصَابِیۡحَ وَ جَعَلۡنٰہَا رُجُوۡمًا لِّلشَّیٰطِیۡنِ وَ اَعۡتَدۡنَا لَہُمۡ عَذَابَ السَّعِیۡرِ ﴿۵﴾

اور یہ کہ یقیناً ہم ہی نے آسمانِ دنیا کو (اجرامِ سماوی) کے چراغوں سے مزین کیا ہے اور انہیں (انسانوں کو گمراہ کرنے والے) شیاطین (وہ کاہن و نجومی جو ستاروں کی بنیاد پر غیب دانی کا دعویٰ کرتے ہیں) کے لئے ظنون کا سبب بنا دیا۔ اور، ہم نے ان کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب بھی تیار کر رکھا ہے۔ [انہیں ان شیاطین الانس کے لئے ظن و گمان کا سبب بنا دیا، ان کی بنیاد پر وہ علمِ غیب کے لئے اٹکل کے تیر چلاتے اور قیاس آرائی کرتے ہیں اور اس طرح اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کا مستحق قرار دیتے ہیں۔]

دنیا: ادنیٰ کی تانیث۔ قریب تر۔ مصابیح، مصباح کی جمع ، چراغ (لیمپ)۔ اگر اس سے مراد سیارے ہوں تو السماء الدنیا (قریب کا آسمان) سے ممکنہ طور پر نظامِ شمسی (سولر سسٹم) ہو گا۔ لیکن، اگر اس سے ستارے و سیارے سبھی سماوی اجرام مراد ہوں تو السماء الدنیا (آسمانِ دنیا) سے وہ ساری ہی کائناتی خلا مراد ہو سکتی ہے جس کے روشن اجرام ہمیں زمین سے نظر آتے ہیں۔

ماریا پھٹکار کا سبب بنا دیا یا ظن و تخمین کا سبب بنا دیا کا مطلب یہ ہے کہ شیاطین الانس نے اپنی آزاد مرضی سے اور اپنے اغراض کے تحت ستاروں کو ظن و گمان کا سبب بنا یا اور اس طرح انہیں اپنے لئے مار اور پھٹکار کا سبب بنا دیا ، ان کے شیطانی طور طریقے (کہانت اور غیب دانی کے دعوے اور وحی کی مخالفت، وغیرہ) ان کے لئے اللہ کی رحمت سے دوری کا سبب بن گئے۔ اللہ جب کسی کام کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے تو اس کا بہت دفعہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسا قوانینِ فطرت کے مطابق ہوتا ہے۔ مزید براں، جس طرح طبیعی کائنات (فزیکل یونیورس) کے قوانین ہیں (جنہیں سائنسی قوانین کہا جاتا ہے) اسی طرح انسان کی معاشرتی زندگی کے بھی

قوانین ہیں جن کے مطابق افراد اور معاشرے اپنے افعال سر انجام دیتے ہیں۔ حق اور باطل اور خیر اور شر کی کشمکش جاری رہتی ہے۔ یہ فرد کے اندر بھی ہوتی ہے اور معاشرہ کے اندر بھی۔ قرآنِ مجید کے نزول کے زمانے میں کاہن اور نجومی بہت فعال تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ وہ ستاروں کی بنیاد پر غیب کا علم حاصل کرتے اور لوگوں کی قسمت کا حال معلوم کرتے ہیں۔ انھوں نے اور دوسرے مخالفینِ حق نے قرآن کو بھی کہانت قرار دیا اور اس طرح وحی اور کہانت کے فرق کو لوگوں کے ذہن میں خلط ملط کرنے کی کوشش کی۔ قرآن نے ان کے مذموم پروپیگنڈا اور ہتھکنڈوں کو بے نقاب کیا، اور بتایا کہ یہ شر کی قوتیں (شیاطین) ہیں اور یہ جو وحی کی مخالفت کر رہے ہیں اور اسے کہانت اور رسولِ اکرم ﷺ کو کاہن قرار دے رہے ہیں یہ چیز انہیں دوزخ کا مستحق بنا رہی ہے۔ قرآن نے ان کے مکافاتِ عمل کے لئے جو الفاظ استعمال کئے ہیں، جیسے ''بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب''، ان سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ کس شدت سے قرآن کی مخالفت کر رہے تھے۔ قرآن جہاں مثبت علوم کے لئے تحریک و ترغیب دیتا ہے وہیں کہانت اور اسٹرولوجی جیسے جھوٹے علوم (سوڈو۔سائنسز) کو اٹکل کے تیرے چلانے سے تعبیر کرتا ہے۔ چند تفاسیر سے اقتباسات:

'' إِنَّا {جَعَلْنَٰهَا} أي: تلك المصابيح {رُجُوماً} أي: سبب ظنون وجهالات {لِّلشَّيَٰطِينِ} وهم المنجمون المرجفون الذين يرجمون بالغيب، مستمسكين بها وبحركاتها وأوضاعها {وَ} بعدما أظللناهم بها في الدنيا'' (تفسیرالجیلانی)

''في تفسير كون الكواكب رجوماً للشياطين أنا جعلناها ظنوناً ورجوماً بالغيب لشياطين الإنس وهم الأحكاميون من المنجمين'' (الرازی)

وقيل معناه وجعلناها رجوماً وظنوناً لشياطين الإنس وهم المنجمون (بیضاوی)

''أو الرجم بمعنى الظن كقوله رجما بالغيب أي ظنونا لشياطين الانس وهم المنجمون والكهنة'' (ہمیان الزاد----)

And, indeed, We have adorned the skies nearest to the earth with lights, and have made them the object of futile guesses for the evil ones [from among men]: and for them have We readied suffering through a blazing flame - (Muhammad Asad)

٦ تا ١١	وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑥ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِىَ تَفُوْرُ ۙ⑦ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۭ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ⑧ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَاۗءَنَا نَذِيْرٌ ڏ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ښ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ⑨	اور یہ کہ ان لوگوں کے لئے جنھوں نے اپنے رب (کے احکامات) کا انکار کیا جہنم کا عذاب ہے، اور وہ لوٹ کر جانے کا کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔ جب وہ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کی خوفناک آواز سنیں گے، اور وہ جوش مار رہی ہو گی۔ گویا مارے غضب کے پھٹا چاہتی ہے۔ جب بھی اس میں (مجرموں کا) کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو ان سے دوزخ کے نگران پوچھیں گے: ''کیا تمھارے پاس کوئی نذیر (خبردار کرنے والا) نہیں آیا تھا''؟ وہ کہیں گے: ''کیوں نہیں، بیشک ہمارے پاس ایک نذیر آیا تھا۔ لیکن، ہم نے اس کی تکذیب کی اور اس کو کہہ دیا کہ اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں کی، تم اس کے سوا کچھ نہیں کہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو''۔ اور وہ (افسوس کرتے ہوئے) کہیں گے: ''کاش ہم (ان کی نصیحت کو) سنتے یا عقل سے کام لیتے تو آج ہم اہلِ جہنم میں سے نہ ہوتے''۔ سو، وہ (اس طرح) اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے۔ پس، اہلِ جہنم کے لئے اللہ کی رحمت سے دوری ہے۔

	وَ قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ⑩ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ⑪	

جنت اور جہنم کا جو بیان (ڈسکرپشن) قرآن میں آیا ہے وہ قرآن کی اپنی تعریف اور درجہ بندی کے اعتبار سے متشابہات میں سے ہے ڈیکھیں سورہ آل عمران آیات نمبر سات)۔ آخرت دنیا سے ایک بالکل مختلف عالم (جہان) ہے۔ لہذا، اس کے مظاہر و حقائق کی تفہیم ہمارے لئے ناممکن ہے ۔قرآن آخرت کے حقائق کی ڈسکرپشن کے لئے جو لفظ استعمال کرتا ہے وہ ہمارے جانے پہچانے ہو تے ہیں لیکن ان کی مراد ہمارے فہم سے ماورا ہے۔ لہذا، جنت و جہنم کی قرآنی ڈسکرپشن کو لغوی اور لفظی مفہوم (لٹرل سینس) میں نہیں لیا جا سکتا۔ جنت اور جہنم اور ان کے احوال کے لئے جو لفظ استعمال کئے گئے ہیں اور جو نقشہ کشی کی گئ ہے وہ انسان کے زاویہ ٴ نگاہ سے ہے اور اس میں انسان کے فہم کی سطح کا لحاظ کیا گیا ہے۔

الْمَصِيْرُ: لوٹ کر جانے کی جگہ۔ انسان کے مرنے کو قرآن واپس پلٹ کر جانے سے تعبیر کرتا ہے۔ اس بات کو بدلے ہوئے لفظوں میں کئی مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔[مشہور آیت ہے، بے شک ہم اللہ کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اسی طرح، سورہ الزخرف میں ہے: ہمیں اپنے رب ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے]۔ جب ہم لوٹ کر اپنے پروردگار کی طرف جائیں گے تو ہمارا ٹھکانا یا جنت ہو گا یا جہنم۔ جنت لوٹ کر جانے کی اچھی جگہ ہے، جبکہ جہنم لوٹ کر جانے کی بری جگہ۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں برے ٹھکانے سے اپنی حفاظت میں رکھے۔ آمین۔ یہ بات اہم ہے اور ہمیشہ ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ قرآنِ مجید میں جہنم کی جو ڈسکرپشن ہے اس میں عذاب کی نوعیت اور شدت اس جرم اور گناہ کی نوعیت اور شدت سے مطابقت رکھتی ہے جس کے بدلے کے طور پر وہ عذاب دیا جائے گا۔

اگلی آیات میں ایک منظر نگاری ہے۔ جہنم گویا ایک گہرا کنوں (یا ایک بہت بڑا تنور) ہے جس میں بہت تیز آگ بھڑک رہی ہے، اس کے شعلے لپک لپک کر باہر آرہے ہیں۔ مجرموں کو اس میں پھینکا جاتا ہے، وہ اس کی نہایت خوفناک آواز سنتے ہیں، اس کا حال یہ ہے کہ گویا وہ شدتِ غضب سے پھٹی پڑ رہی ہے۔ مجرموں کے گروہ کے گروہ اس میں پھینکے جا رہے ہیں۔ جب جب کوئی گروہ اس میں ڈالا جاتا ہے تو جہنم کے انچارج بطور، طنز و استہزا ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا تمہارے پاس اللہ کا کوئی نذیر نہیں آیا تھا، وہ کہتے ہیں آیا تو تھا مگر ہماری بدبختی کہ ہم نے اس کی بات نہ مانی۔ اسے جھوٹا قرار دیا اور یہاں تک کہہ دیا کہ اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں کی، تم غلط بیانی کر رہے ہو اور خود کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔ مزید کہتے ہیں: کاش کہ ہم نے اللہ کے رسول کی بات سنی ہوتی یا عقل ہی سے کام لیا ہوتا تو آج ہمارا شمار اہلِ جہنم میں نہ ہوتا۔ اس طرح وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ مگر یہ اعتراف ان کے کسی کام نہیں آتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ اہلِ جہنم کے لئے رحمتِ خداوندی سے دوری ہے۔

ظاہر ہے یہ تمثیلی کلام ہے، اس کی اصل مراد کو صرف اللہ علیم و خبیر جانتا ہے۔ بنیادی اصول جو اخذ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان ایک مسئول اور مکلف (جواب دہ) مخلوق ہے۔ اس کے اخلاقی اعمال اپنی نوعیت اور کمیت کے مطابق اپنے نتائج پیدا کر کے رہیں گے۔ دنیا دارالامتحان ہے اور انسان حالتِ امتحان میں ہے، جبکہ آخرت دار الجزا ہے جہاں ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلا آخری و حتمی سطح پر لے گا۔ اسے قانونِ مکافاتِ عمل بھی کہتے ہیں۔

عذاب کی شدت مکہ کے مخالفینِ حق کی اس شدت کو ظاہر کرتی ہے جس سے انہوں نے پیغامِ حق کی مخالفت کی اور ہر قسم کا تشدد روا رکھا۔انہوں نے رسولِ اکرم ﷺ کی پوری شدت سے تکذیب کی، آپ کے خلاف ہر قسم کا منفی پروپیگنڈا کیا، سازشیں کی، آپ کو طنز اور استہزا کا نشانہ بنایا۔ ان کے ظلم و ستم کے بیان سے سیرت کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ دعوتِ حق کے خلاف ان کا غصہ، جوش و غضب، گھمنڈ اور استکبار جہنم کی ڈسکرپشن کی آیات کے بین اسطور میں پڑھا جا سکتا ہے۔

یہاں، لفظ نذیر استعمال ہوا، نبی یا رسول استعمال نہیں جو کہ موقع محل کے تقاضا کے عین مطابق ہے۔ اس کی اہمیت سیاق سے واضح ہے۔جہنم کے انچارج مجرموں سے پوچھتے ہیں کہ تم اعمالِ بد سرانجام دیتے رہے اور اس کے نتیجے میں جہنم کے حقدار ٹھہرے، کیا تمھارے پاس کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا جو تمہیں برے اعمال کے انجام سے آگاہ کرتا۔۔۔

نَسۡمَعُ اَوۡ نَعۡقِلُ: ہم نے سنا ہوتا یا عقل سے کام لیا ہوتا۔۔۔ یہاں سے علم کی دو بنیادی قسموں کا پتہ چلتا ہے۔ علمِ سماعی (وہ علم جو سن کر حاصل ہو) اور علمِ عقلی (وہ علم جو غور و فکر سے حاصل ہو)۔انہیں بالترتیب روایت اور درایت بھی کہا جاتا ہے۔ مخالفینِ حق اپنے استکبار اور حق سے بیزاری کے باعث دونوں سے محروم رہتے ہیں۔ تکبر کسی اور سے علمی استفادہ کرنے سے رکاوٹ بنتا ہے اور جذبات عقل پر پردہ ڈالے رکھتے ہیں۔

۱۲	اِنَّ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَیۡبِ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ اَجۡرٌ کَبِیۡرٌ ﴿۱۲﴾	بیشک وہ لوگ جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لئے (اللہ کی) مغفرت اور اجرِ عظیم ہے۔

اس آیت میں اہلِ جنت کا ذکر ہے۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے رب سے غائبانہ طور پر ڈرتے ہیں۔ رب سے ڈرنے کا مطلب ہے رب کی ناراضگی سے ڈرتے ہیں، اس کے احکامات کے خلاف ورزی کے انجام سے ڈرتے ہیں، وغیرہ۔

۱۳، ۱۴	وَ اَسِرُّوۡا قَوۡلَکُمۡ اَوِ اجۡہَرُوۡا بِہٖ ؕ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۳﴾ اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ ؕ وَ ہُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ ﴿۱۴﴾	اور یہ کہ (اے مخالفینِ حق) تم اپنی بات پوشیدہ رکھو یا اسے ظاہر کرو (اللہ تعالیٰ کے لئے یکساں ہے)، (اس کی شان یہ ہے کہ) بیشک وہ سینوں میں چھپے رازوں کا بھی مکمل علم رکھتا ہے (تعجب ہے کہ تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے)۔ وہ (خدائے علیم و خبیر) جس نے پیدا کیا ہے، کیا وہی نہ جانے گا، جب کہ اس کی شان یہ ہے کہ وہ اللطیف (نہایت باریک بین) اور الخبیر (ہر شے کی خبر رکھنے والا) ہے۔(یقیناً، وہ سب کچھ جانتا ہے۔)

صدور صدر کی جمع ہے۔ لغوی معنی سینہ۔ صدر کسی شے کے اہم اور مرکزی حصے کو بھی کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے اس کا مطلب ہو گا انسان کا مرکزِ وجود۔ یعنی سوچنے سمجھنے کا مرکز یعنی ذہن۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ قرآن کی زبان ادب کی زبان ہے، وہ ادب کا شاہپارہ ہے۔ وہ اپنے آپ کو کتابِ ہدایت کے طور پر پیش کرتا ہے، سائنس یا کسی اور شعبہ ءِ علم کی کتاب کے طور پر نہیں۔ اس کا موضوع انسان ہے بہ حیثیت ایک روحانی، اخلاقی اور معاشرتی وجود کے۔ اللہ سب کچھ جانتا ہے، لہذا ، ہر قول و فعل اپنی نوعیت کے مطابق اپنے اچھے یا برے انجام کو پہنچے گا۔ کوئی عمل ایسا نہیں جو اپنے منطقی نتیجے تک نہ پہنچے۔ ہر عمل کا منطقی نتیجہ اس کے ساتھ لگا ہوا ہے، چاہے وہ عمل کتنا ہی چھوٹا اور باریک کیوں نہ ہو۔

۱۵	هُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ ذَلُوۡلًا فَامۡشُوۡا فِیۡ مَنَاکِبِہَا وَ کُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِہٖ ؕ وَ اِلَیۡہِ النُّشُوۡرُ ﴿۱۵﴾	وہ (خدائے رحمٰن) وہی ہے جس نے تمھارے لئے زمین کو قابلِ انتظام بنایا ہے، پس تم اس کے راستوں پر چلو (اور اپنی منزلِ مقصود تک پہنچو) اور (یوں) اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق سے غذا کا کام لو۔ اور (یاد رکھو) اسی کی طرف دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔
زمین انسان کے لئے قابلِ انتظام (مینیج ایبل) ہے۔ اس کی جیالوجی اور جیوگرافی ایسی ہے کہ انسان کی ضروریات و حاجات کے عین مطابق ہے۔ گویا یہ ایک ایسی ناقہ ہے جو مکمل طور پر انسان کی فرمانبردار اور مطیع ہے۔ یہ انسان کے رہنے بسنے، نشوونما پانے اور افزائش و فروغ کے مقاصد کے ساتھ مکمل ہم آہنگ ہے۔ مگر انسان نے دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا۔ لہٰذا اسے یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ ایک دن اسے مرنا ہے، مگر یہ مرنا ہمیشہ کا مرنا یا فنا نہیں ہو گا، اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ زندہ کرے گا اور اسے اپنے اعمال کی جواب دہی کے لئے اپنے رب کے سامنے حاضر ہونا ہے۔		
۱۶، ۱۷، ۱۸	ءَاَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِکُمُ الۡاَرۡضَ فَاِذَا ہِیَ تَمُوۡرُ ﴿ۙ۱۶﴾ اَمۡ اَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یُّرۡسِلَ عَلَیۡکُمۡ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعۡلَمُوۡنَ کَیۡفَ نَذِیۡرِ ﴿۱۷﴾ وَ لَقَدۡ کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ فَکَیۡفَ کَانَ نَکِیۡرِ ﴿۱۸﴾	کیا تم اس (خدا) سے جو اپنی شان میں نہایت اعلیٰ و ارفع ہے بے خوف ہو گئے ہو کہ تمہیں زمین میں غرق کر دے جبکہ وہ یکایک لرز اٹھے۔ یا کیا تم اس (خدا) سے جو اپنی شان میں نہایت اعلیٰ و ارفع ہے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تم پر پتھر برسانے والی سخت آندھی بھیج دے (اور تم تباہ ہو کر رہ جاؤ)۔ پس (اگر تمہارے طور طریقے یہی رہے تو)، تم عنقریب جان لو گے کہ میرے انذار کی کیفیت کیا ہے۔(تمہارے اعمال اپنی نوعیت کے مطابق نتائج پیدا کر کے رہیں گے۔ یہ مکافاتِ عمل کا وہ قانون (سنت اللہ) ہے جو شروع سے چلا آرہا ہے۔) اور یہ کہ بیشک ان لوگوں نے بھی جو ان (مخالفینِ حق) سے پہلے گزرے ہیں (میرے رسولوں کی) تکذیب کی تھی، سو دیکھو کیسا تھا میرا عذاب (جس سے وہ اپنے اعمال کے نتیجے کے طور پر دوچار ہوئے)۔[کیسا تھا میرا انہیں رد کرنا، رحمت سے دور کرنا۔۔، پیغامِ حق کی تکذیب بالآخر رحمتِ خداوندی سے دوری کا سبب بنتی ہے۔]

بہت سے لوگ اپنے استکبار (تکبر، گھمنڈ) کی وجہ سے خشیتِ الٰہی کی دولت سے محروم رہتے ہیں۔ ان کے دل اللہ کے احساس اور اس کی نعمتوں کے اعتراف سے بے بہرہ رہتے ہیں۔ چنانچہ وہ کسی آفاقی قانون اور اخلاقی ضابطے کو نہیں مانتے۔ وہ اپنی خواہشاتِ نفس کے پیچھے چلتے ہیں۔ حق کی مخالفت میں بہت دور چلے جاتے ہیں، ان کے اعمالِ بد کی کیفیت و کمیت یہ تقاضا کرتی ہے وہ مکافاتِ عمل کا سامنے کریں۔ کوئی زلزلہ آئے اور وہ زمین میں دھنس کر رہ جائیں، یا ان پر کوئی سخت پتھریلی آندھی چلے اور انہیں ہلاک کر کے رکھ دے۔اگر ان کے طور طریقے ایسے ہی رہے تو کوئی شک نہیں کے یہ بہت جلد مکافاتِ عمل کا سامنا کریں گے، پھر انہیں اندازہ ہو جائے گا کہ اللہ کا عذاب (برے اعمال اور حق کی مخالفت کا انجام) کیسا ہوتا ہے۔ انہیں اگر یقین نہیں آتا تو وہ پہلے گزرے ہوئے لوگوں کے حالات کا مطالعہ کریں، ان پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ماضی کے مخالفینِ حق کا انجام کیا ہوا اور وہ کس طرح اپنی بد اعمالیوں کے سبب رحمتِ خداوندی سے دور جا پڑے تھے۔

یہ سب کچھ بے ہنگم و بے ترتیب طور پر نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے ودیعت کردہ آفاقی ضابطوں کے مطابق ایک ہمہ گیر نظام کے مطابق ہوتا ہے۔

آیات سولہ و سترہ میں یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں: ''مَن فی السما'' ۔ اس ٹکڑے کا ایک لغوی معنی یہ ہو سکتا ہے: ''وہ جو سما میں ہے''۔ اہلِ تفسیر کے نزدیک اس کا ایک ممکنہ مفہوم یہ ہے کہ اس کی سلطنت اور بادشاہی آسمان (یعنی سماوی کائنات) میں ہے۔چونکہ عربی کے لفظ سما میں بنیادی مفہوم بلندی کا پایا جاتا ہے چاہے وہ بلندی طبیعی ہو یا معنوی، اس لئے اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ''وہ جو مرتبہ ءِ بلند میں ہے''، یعنی جس کی شان بہت بلند ہے، جو اپنی شان میں اعلیٰ، ارفع، اکبر اور اعظم ہے، جس کی قدرت، قوت اعلی و اکبر ہے، جو بلندیوں کا مالک ہے، العلی الکبیر، وغیرہ۔ ممکن ہے یہ الفاظ اسی طرح کے معنوں میں استعمال ہوتے ہوں جیسے ہمارے ہاں کبھی کبھی کچھ لوگ خدا کے لئے ''اوپر والا'' کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، اس اعتبار سے من فی السما کا معنی ہو گا:''آسمان والا''۔

ان الفاظ کا استعمال ہماری عمومی پریکٹس کے حوالے سے بھی ہو سکتا ہے، جیسے ہم اللہ سے دعا مانگتے ہوئے اوپر کی طرف دیکھتے ہیں اگرچہ ہم ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ زمان و مکان سے ماورا ہے، وہ جسم و جسمانیت سے پاک و منزہ ہے۔ وغیرہ۔

ایک اور مفہوم یہ ہے کہ یہ الفاظ مخاطبین کے اعتقاد کے مطابق استعمال کئے گئے ہیں اور مراد ہے: ''اے مخاطبین، کیا تم اس خدا سے بے خوف ہو گئے ہو جس کے بارے میں تمہارا اعتقاد ہے کہ وہ آسمان میں ہے''۔

[''ویجوز أن تکون الظرفیۃ باعتبار زعم العرب حیث کانوا یزعمون انہ تعالی فی السماء ای ءأمنتم من تزعمون انہ فی السماء وہو متعال عن المکان'' (روح البیان)]

‘‘And yet, are you secure that He Who is above everything will not cause the earth to swallow you up then, when it is in a state of commotion?’’ (Ali Unal)

کیا انھوں نے اپنے اوپر (فضا میں) پر پھیلائے اڑتے ہوئے پرندوں کا مشاہدہ نہیں کیا، (جو اپنے پر پھیلائے اڑ رہے ہو تے ہیں) اور انھیں سمیٹ بھی لیتے ہیں۔ خدائے رحمٰن ہی ہے جو انھیں فضا میں (اپنے قانونِ فطرت کے ذریعے) تھامے رکھتا ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو اپنی نگاہ میں رکھے ہوئے ہے۔[اگر تمہیں اس کا احساس نہیں، سو تم مخالفتِ حق پر ڈٹے ہوئے ہو۔] (اے مخالفینِ حق) کیا تمھارے پاس کوئی ایسا لشکر ہے جو خدائے رحمٰن کے مقابلے میں تمہاری مدد کر سکے۔(یقیناً نہیں)۔ (اے رسولِ اکرمﷺ) ان منکرینِ	اَوَلَمۡ یَرَوۡا اِلَی الطَّیۡرِ فَوۡقَہُمۡ صٰٓفّٰتٍ وَّ یَقۡبِضۡنَ ؕ مَا یُمۡسِکُہُنَّ اِلَّا الرَّحۡمٰنُ ؕ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍۭ بَصِیۡرٌ ﴿۱۹﴾ اَمَّنۡ ہٰذَا الَّذِیۡ ہُوَ جُنۡدٌ لَّکُمۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ ؕ اِنِ الۡکٰفِرُوۡنَ اِلَّا فِیۡ غُرُوۡرٍ ﴿ۚ۲۰﴾	۱۹ ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳

حق کا حال یہ کہ بس خود فریبی میں مبتلا ہیں (ورنہ ضرور احساس رکھتے کہ خدا کے مقابلے میں کوئی کسی کو تحفظ نہیں دے سکتا)۔ (اے مخالفینِ حق بتاؤ) اگر اللہ اپنا رزق روک لے تو کیا کوئی ایسی ہستی ہے جو تمہیں رزق پہنچا سکے۔ (یقیناً، کوئی ایسی ہستی نہیں ہے) لیکن (ان کا حال یہ ہے کہ) یہ سرکشی اور حق سے نفرت پر ڈٹے ہوئے ہیں۔(جانتے ہیں مگر مانتے نہیں، تکبر اور ضد کے باعث، سرکشی اور حق سے نفرت کے جذبات میں ڈوبے ہوئے ہیں، سرکشی اور نفرت پر مصر ہیں، بضد ہیں)۔ کیا وہ شخص جو اپنا چہرہ نیچے جھکائے گرتا پڑتا چل رہا ہو وہ ہدایت پر ہے یا وہ جو اپنے قدموں پر سیدھا کھڑا صراطِ مستقیم پر گامزن ہو۔[محدود اور پست زاویہ ءِ نگاہ اور وسیع اور بلند زاویہ ءِ نگاہ کا فرق) (اے رسولِ اکرم ﷺ)آپ فرمائیں: اللہ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہیں کان، آنکھیں اور سوچنے کی قوت عطا کی، مگر تمہارا حال یہ ہے کہ بہت کم ہی شکر گزاری کا رویہ اختیار کرتے ہو۔ (مزید) فرمائیں: اللہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا ہے اور اسی کی طرف تم (قیامت کے روز) اکھٹے کیا جاؤ گے۔	اَمَّنۡ هٰذَا الَّذِىۡ يَرۡزُقُكُمۡ اِنۡ اَمۡسَكَ رِزۡقَهٗ‌ ۚ بَلْ لَّجُّوۡا فِىۡ عُتُوٍّ وَّ نُفُوۡرٍ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنۡ يَّمۡشِىۡ مُكِبًّا عَلٰى وَجۡهِهٖۤ اَهۡدٰٓى اَمَّنۡ يَّمۡشِىۡ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۲۲﴾ قُلۡ هُوَ الَّذِىۡۤ اَنۡشَاَكُمۡ وَجَعَلَ لَـكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَ الۡاَفۡـِٕدَةَ‌ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۲۳﴾ قُلۡ هُوَ الَّذِىۡ ذَرَاَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَاِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۲۴﴾	

پرندوں کا ہوا میں اڑنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عظیم نشانیوں میں سے ہے۔ قوانینِ فطرت اللہ تعالیٰ کے ودیعت کردہ ہیں۔ جس طرح اللہ پنے قانونِ فطرت کے ذریعے پرندوں کو ہوا میں تھامے رکھتا ہے، اسی طرح وہ کائنات کی ہر چیز کو ''تھامے'' ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانونِ فطرت ہے شے کو اپنی نگاہ میں رکھے ہوئے ہے۔ کوئی چیز اس سے باہر نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی سے اپنی نگاہِ لطف و کرم کو ہٹا لے تو کوئی اس کی مدد نہیں کر سکتا۔ وہ ہر چیز کا نگران وہ نگہبان ہے۔

جو لوگ حق کی مخالفت کر رہے ہیں وہ دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو غرور و تکبر کے باعث خود فریبی میں مبتلا کر رکھا ہے۔ لیکن وہ خود مکافاتِ عمل سے نہیں بچا سکتے۔

عتوٌّ: سرکشی، استکبار ، حد سے تجاوز ۔ نفور: حق سے فرار، اعراض، گریز، نفرت اور بیزار ی، حق گریزی۔ ایک عظیم تفسیر کی خوبصورت تشریح:

''{بَل لَّجُّواْ فِي عُتُوّ وَنُفُورٍ} والمراد أصروا وتشددوا مع وضوح الحق، في عتو أي في تمرد وتكبر ونفور، أي تباعد عن الحق وإعراض عنه فالعتو بسبب حرصهم على الدنيا وهو إشارة إلى فساد القوة العملية، والنفور بسبب جهلهم، وهذا إشارة إلى فساد القوة النظرية۔'' (الرازی)

محمد اسد کا ترجمہ:

Or is there any that could provide you with sustenance if He should withhold His provision [from you]? Nay, but they [who are bent on denying the truth] stubbornly persist in their disdain [of God's messages] and in their headlong flight [from Him]! (Muhammad Asad)

آیت ۲۲ میں ایک مثال کے ذریعے کافر اور مومن کے حالت کی وضاحت کی گئی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ محدود زاویہ ءِ نگاہ اور وسیع زاویہ ءِ نگاہ کے فرق کا بیان ہے۔ مزید وضاحت کے لئے دیکھیں:

''يَمْشِي مُكِبّاً عَلَىٰ وَجْهِهِ } وجوهاً: أحدها: معناه أن الذي يمشي في مكان غير مستو بل فيه ارتفاع وانخفاض فيعثر كل ساعة ويخر على وجهه مكباً فحاله نقيض حال من يمشي سوياً أي قائماً سالماً من العثور والخرور وثانيها: أن المتعسف الذي يمشي هكذا وهكذا على الجهالة والحيرة لا يكون كمن يمشي إلى جهة معلومة مع العلم واليقين وثالثها: أن الأعمى الذي لا يهتدي إلى الطريق فيتعسف ولا يزال ينكب على وجهه لا يكون كالرجل السوي الصحيح البصر الماشي في الطريق المعلوم۔'' (الرازی)

''{أفمن يمشي مُكبًّا على وجهه} أي: ساقطاً على وجهه''۔۔۔ ''المُكب: الساقط على وجهه، والمعنى: أفمن يمشي وهو يعثر في كل ساعة، ويخرّ على وجهه في كل خطوة أهدى إلى المقصود {أَمَّنْ يمشي سَوِياً} أي: قائماً سالماً من الخبط والعِثار {على صراط مستقيم} مستوي الأجزاء لا عوج فيه، ولا انحراف؟ (البحر المديد)

''أَفَمَن يَمْشِي مُكِبّاً عَلَىٰ وَجْهِهِ} [الملك: 22]؛ يعني: مكباً على الضلالة والجهالة مثل البهائم، {أَهْدَىٰ أَمَّن يَمْشِي سَوِيّاً عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ} [الملك: 22]؛ يعني: يمشي بالعلم والمعرفة والإيمان مثل القامة المعتدلة الإنسانية على الصراط المستقيم۔'' (التاویلات النجمیه فی التفسیر)۔

But then, is he that goes along with his face close to the ground better guided than he that walks upright on a straight way? (Muhammad Asad)

Is then one who walks headlong, with his face groveling, better guided, - or one who walks evenly on a Straight Way? (Abdullah Yusuf Ali)

انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک مکلف و مسئول مخلوق کے طور پر پیدا کیا ہے۔ چنانچہ، اسے مشاہدہ اور غور و فکر کی صلاحیتیں عطا کی ہیں۔ الْأَفْئِدَةَ الفواد کی جمع: سوچنے سمجھنے کی صلاحیت۔

SAY: "[God is] He who has brought you [all] into being, and has endowed you with hearing, and sight, and hearts: [yet] how seldom are you grateful!" (Muhammad Asad)

اللہ نے انسان کو پیدا کیا اور دنیا میں پھیلایا ہے مگر اس نے یہیں رہنا بسنا اور پھر مر کھپ جانا نہیں ہے۔ بلکہ اسے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا، قیامت برپا ہو گی اور ہر انسان کو اپنے اعمال جواب دہی کرنی ہو گی۔ مزید تشریح کے لئے دیکھیں:

(قل هو الذي ذرأكم في الأرض) أي: بثكم ونشركم في أقطار الأرض وأرجائها، مع اختلاف ألسنتكم في لغاتكم وألوانكم، وحلاكم وأشكالكم وصوركم، (وإليه تحشرون) أي: تجمعون بعد هذا التفرق والشتات، يجمعكم كما فرقكم ويعيدكم كما بدأكم (ابن كثیر)

۲۵،	وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۲۵	اور وہ (مخالفینِ حق اہلِ ایمان سے بطورِ طنز) کہتے ہیں : اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو (تو بتاؤ) اس وعدے کی (کہ قیامت کا دن آئے گا) تکمیل کب ہو گی؟
۲۶،	قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۲۶	(اے رسولِ اکرم ﷺ) فرمایئے: اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، میں تو صرف ایک واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں (کہ اعمال اپنی نوعیت کے مطابق نتائج پیدا کریں گے، قیامت آئے گی اور ہر کوئی اپنے اعمال کے لئے جواب دہ ہو گا۔)
۲۷	فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ۝۲۷	پھر، جب وہ اسے اپنے قریب آتے دیکھیں گے تو مخالفینِ حق کے چہرے (شدتِ خوف سے) سیاہ پڑ جائیں گے۔اور، انہیں کہا جائے گا: یہی ہے وہ (قیامت) جس کا تم بار بار تقاضا کرتے تھے (اب اسے سامنے پا کر پریشان کیوں ہو رہے ہو)۔

نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ: واضح طور پر خبردار کرنے والا۔ نذیر: خبردار کرنے والا، آگاہ کرنے والا۔ برے افکار و اعمال کے انجام سے خبردار کرنے والا۔ مبین: کھول کھول کر اور پوری وضاحت سے بیان کرنے والا۔

جب قیامت کی گھڑی آپہنچے گی اور مخالفینِ حق کا اس سے سامنا ہو گا تو شدت غم و خوف اور حسرت و یاس سے ان کے چہرے متغیر ہو جائیں گے۔ یعنی وہ دن حق کے مخالفین کے غم و اندوہ کا دن ہو گا۔ وہ اس کے لئے نہ نظریاتی طور پر تیار تھے (کہ اس کے آنے کا یقین ہی نہ رکھتے تھے) اور نہ اپنے اعمال و افعال کے اعتبار سے۔ اپنے استکبار کے باعث انھوں نے پیغامِ رسالت کی تکذیب کی اور اسے گوشِ ہوش سے سننے سے انکار کر دیا اور جہالت نے انہیں عقل و فکر سے کام نہ لینے دیا۔ کہا جائے گا: یہ ہے وہ قیامت جس کے لئے تم بطورِ استہزا جلدی کا تقاضا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کب آئے گی اور اپنے عملی طور طریقوں سے (بزبانِ حال) تم اس کو طلب کر رہے تھے۔ یعنی تمہارے اعمال ایسے تھے کہ گویا زبانِ حال سے یہ مطالبہ کر رہے ہوں کہ قیامت کا دن جلد آئے۔ لیکن جب وہ سامنے آجائے گی تو اسے دیکھ کر تمہارا برا حال ہو گا۔ کہا جائے گا اب کیوں پریشان ہوتے ہو، یہ وہی قیامت ہے جس کا تم تقاضا کیا کرتے تھے۔

۲۸،	قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۲۸	(اے رسولِ اکرم ﷺ) آپ فرمایئے (اے منکرینِ حق جو ہماری تباہی کے خواہاں ہو) ذرا غور کرو کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور ان کو جو میرے ساتھ ہیں ہلاک کر دے یا ہم پر رحم فرمائے (اس میں تمہارا کیا فائدہ)، پس، (تم یہ بتاؤ کہ) منکرینِ حق کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا (انہیں تو بہر صورت اپنے اعمال کا انجام دیکھنا ہو گا)۔
۲۹	قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۲۹	آپ فرمائیں: وہ الرحمٰن ہے جس پر ہم ایمان لائے ہیں، اسی پر ہمارا توکل ہے، بہت جلد تم اس حقیقت سے آگاہ ہو جاؤ گے کہ (ہم میں سے) کھلی گمراہی

		میں کون ہے۔ [وقت اس کو آشکار کر دے گا، اور بروزِ قیامت تو ہر چیز کھل کر سامنے آ ہی جائے گی۔]

ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔

Say, ‘Just think- regardless of whether God destroys me and my followers or has mercy on us- who will protect the disbelievers from an agonizing torment?’ (Abdul Haleem)

ہمارا توکل اور بھروسہ صرف اللہ پر ہے۔ اس کی منشا اور ضابطوں کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔ ہم سر اٹھا کر پوری بصیرت کے ساتھ صراطِ مستقیم پر گامزن ہیں جو سیدھی منزلِ مقصود کو جاتی ہے۔ وقت اس حقیقت کو ظاہر و آشکار کر دے گا۔ حق کو بقا ہے اور باطل کو فنا۔

Say: "He is the Most Gracious: we have attained to faith in Him, and in Him have we placed our trust; and in time you will come to know which of us was lost in manifest error." (Muhammad Asad)

۳۰	قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ۝٣٠	آپ فرمائیں: ذرا غور کرو اگر (کسی دن) تمہارا پانی (جس پر زندگی کا دارومدار ہے) زمین کے اندر گہرائی میں اتر جائے (تمہاری پہنچ سے دور) تو کون ہے جو تمہیں آنکھوں کے سامنے بہتا تازہ پانی فراہم کر سکے۔ [یقیناً، اللہ ہی ہے جس کی قدرتِ کاملہ ایسا کر سکے] [تو پھر تم غور و فکر کیوں نہیں کرتے۔]

اصبح: صار، ہو جائے۔ {غَوْرًا } أي غائراً ذاهباً في الأرض، گہرائی میں چلا جائے۔ المعین: الظاهر الذي تراه العيون، ظاہر جسے آنکھیں سکیں، ماء معین: آنکھوں کے سامنے بہتا پانی، میٹھا (تازہ) پانی (فریش واٹر)، جاری پانی (آبِ رواں)۔

یعنی تمہارا پانی اگر گہرائی میں اتنا نیچے چلا جائے کہ اس تک تم کسی طور رسائی نہ حاصل کر سکو۔ پانی زندگی کی بنیادی ضرورت ہے۔ اوپر آیت ۲۱ میں رزق کا ذکر تھا جو کہ ہر قسم کے وسائلِ حیات کو کہتے ہیں۔ مگر اس کا منبع بھی پانی ہی ہے۔ نباتات اور حیوانات جن سے ہم غذا حاصل کرتے ہیں پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ گویا، آیت کہتی ہے، (اے مخالفینِ حق) بتاؤ تمہارا پانی کہ جس پر تمہاری زندگی کا دارو مدار ہے اگر کسی وقت تمہاری پہنچ سے باہر چلا جائے تو سوائے اللہ تعالیٰ کے کون ہے جو تمہیں صاف و شفاف وافر پانی مہیا کر سکے۔ اللہ مسبب الاسباب ہے، تمام تر اسباب اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ ہر شے اسی کے قبضہ ءِ قدرت میں ہے۔ جس طرح، پانی انسان کی مادی زندگی کی بقا اور نشوونما کے لئے ضروری ہے اس طرح وحی ربانی انسان کی روحانی زندگی کی بقا اور نشوونما کے لئے ضروری ہے۔ وہ خدا جس نے کائنات کی ہر شے کو پیدا فرمایا اور کائنات کو ہمہ گیر اور مستحکم اصولوں پر مکمل ہم آہنگی کی حالت پر تخلیق کیا ہے، اسی کے ودیعت کردہ قوانین پرندوں کو ہوا میں تھامے رکھنے اور انسان کو وسائلِ رزق اور صاف و شفاف پانی کی فراہمی کے پیچھے کارفرما ہیں۔ وحی ءِ ربانی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے روحانی وجود کی حاجات کو پہچانے اور اس کے تقاضے پورے کرے۔ اور، اس طرح اپنے اندر احساسِ تشکر پیدا کرے جو کہ بہ حیثیتِ انسان اس کی نشوونما کے لئے ضروری ہے۔

’’اگر تمہارا پانی کسی دن تمہاری پہنچ سے باہر چلا جائے تو کون ہے جو تمہیں تازہ پانی فراہم کر سکے‘‘، ایک نہیں بلکہ دو سوال ہیں۔ ایک کا تعلق اسباب و ذرائع سے ہے اور دوسرے کا تعلق مسبب الاسباب سے۔ مادہ پرستانہ سوچ اپنے آپ کو ہمیشہ صرف اسباب و ذرائع پر فوکس رکھتی ہے۔ اس کے نتیجے میں انسان بلند تر آدرش اور نظریہ سے محروم ہو کر محض ایک مشین بن کر رہ جاتا ہے۔ اس کی زندگی زیادہ سے زیادہ ایک حیوانی سطح کی زندگی ہوتی ہے کہ اس کے مادی اور حیاتیاتی (بایولوجیکل) تقاضے

پورے ہوتے رہیں۔ قرآن چاہتا ہے کہ انسان اسباب و ذرائع کو بھی پوری اہمیت دے لیکن مسبب الاسباب کو اپنی اصلی منزل کے طور پر ہمیشہ اپنے پیشِ نظر رکھے تاکہ وہ ایک روحانی و اخلاقی وجود کے طور پر نشوونما پا سکے۔

اللہ قادرِ مطلق ہے، کائنات کی بادشاہی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس نے کائنات کو مستحکم اصولوں پر پیدا کیا ہے۔ ایسے اصول جنھوں نے پوری کائنات اور اس کے تمام مظاہر کو اپنے گھیرے میں لیا ہوا ہے۔ انسان کو اس نے ایک باشعور مخلوق کے طور پر پیدا کیا اور اسے ارادہ و اختیار کی طاقت عطا کی ہے۔ اس کی منشا یہ ہے کہ انسان ایک روحانی و اخلاقی وجود کے طور پر نشوونما پاتا ہوا درجہ ءِ کمال کو پہنچے۔ اس مقصد کے لئے قرآن نے جو لائحہ عمل دیا ہے وہ اس کے تصورِ عالم (ورلڈ ویو) کی معرفت اور اس پر مکمل ایمان اور اس کے نظامِ اقدار کی پیروی پر مشتمل ہے۔